حسینؑ اور انسانیت

حسینی کارنامہ پر ایک یادگار تقریر

عمدۃ العلماء آیۃ اللہ سید کلب حسین صاحب قبلہ طاب ثراہ

اس جلسہ کے داعی اور اس بزم کے بانی، اس شاہی بارہ دری میں حاضرین کو بلانے والے، آخری تاجدار اودھ کے اس حسینی عزاخانہ میں ذکر حسینؑ کا فرش بچھانے والے نہ صرف شیعہ ہیں، نہ صرف مسلمان نہ محض وہی لوگ ہیں جو سیاسیات سے الگ۔ اور نہ محض وہ طبقہ ہے جو معاملات ملک کے روح رواں، نہ محض دنیا والے۔ نہ صرف دین کے بندے نہ فقط دولت مند، نہ فقر و فاقہ میں بسر کرنے والے۔ نہ ایسے ہی لوگوں نے یہ جلسہ منعقد کیا ہے جو انفرادیت کے پیرو اور نہ صرف ویسے ہی لوگ بانی ہیں جو جمہوریت کے تابع بلکہ جب آپ دعوت نامہ پر دستخط کرنے والوں کے نام معلوم کریں گے اور اپنے میزبانوں کی فہرست پر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ شیعہ سنی، ہندو مسلمان، آریہ، عیسائی، سکھ، قادیانی، اچھوت، سچھوت، ملکی، قومی، سیاسی، غیر سیاسی، مالدار، مفلس، سرمایہ دار اور کمیونسٹ شخصیت کے حامی اور جمہوریت کے پیرو۔ ہر ملت ہر دماغ، ہر خیال ہر جذبہ کے لوگ جلسہ کی دعوت دینے اور اشتہار پر دستخط کرنے میں شامل ہیں جس کے معنی یہ ہوئے کہ تمام حضرات اس جلسہ کے بانی ہیں سب ہی آپ کے میزبان ہیں اور شاید میرا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ سب کا مشترکہ حکم یہ ہے کہ میں اپنا پراگندہ بیان اپنے بے حقیقت معلومات اپنے صحیح یا غلط جذبات حاضرین جلسہ کے سامنے پیش کروں اس حالت میں میرا فرض ہے اور مجھ پر واجب ہے کہ اگر میں بلاغت کی راہیں گذارنا چاہتا ہوں اور تمام دعوت دینے والوں اور بلانے والوں کو خوش کرنا چاہتا ہوں تو اپنا کلام ان الفاظ میں پیش نہ کروں جو کوئی سمجھے اور کوئی نہ سمجھے۔ کسی کی مرضی کے مطابق ہو اور کسی کی مرضی کے مطابق نہ ہو۔ کسی کے جذبات مذہبی کے موافق ہو کسی کے خیالات مذہبی کے مخالف ہو۔ بلکہ محل کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب موقع کی تلاش کرتے ہوئے اپنی تقریر کا موضوع، اپنے بیان کا سرمایہ وہ چیز قرار دوں جو تمام عالم مختلف الخیال تمام الگ الگ مذاہب پر چلنے والوں اور ہر قوم و مذہب و ملت کے پیروی کرنے والوں کے واسطے بالکل یکساں اور برابر کی حیثیت سے دلچسپ اور مفید ہو۔ مجھ کو یہ راستہ بے حد کٹھن ہو جاتا، میں اس راہ پر قدم ہی نہ رکھ سکتا۔ اگر میری نگاہوں کے سامنے حسینؑ کے علاوہ کوئی اور ذات ہوتی اور کسی اور بشر کی یادگار منانے کو یہ جلسہ طلب کیا گیا ہوتا مگر مظلوم حسینؑ! تیرا کیا کہنا۔ قربانی کی بے نظیر تصویر! تیری کیا تعریف کروں کہ تو نے کربلا کے خونی آئینہ میں ہر تصویر دکھا دی، ہر رنگ بھر دیا، ہر نقشہ بنا دیا۔ تو نے کربلا کی ویران زمین، چٹیل میدان، پرخار وادی کو اپنے خون سے سینچ کے جنت بنایا۔ باغ لگایا، چمن بنائے، نہریں جاری کیں، روشیں درست کیں، پھول کھلائے، مگر ایسا باغ نہیں جس میں پھول

ایک ہی سے ہوں۔ خوشبو ایک ہی سی ہو، رنگ ایک ہی سے ہوں، مزے ایک ہی سے ہوں، طائروں کے چہچہے ایک ہی سے ہوں۔

نہیں۔ نہیں، ہر پھول لگایا، ہر گل کھلایا، ہر چمن سجایا، ہر کیاری بنائی، ہر خوشبو رکھی، ہر مہک دے دی، ہر نالہ بنایا، ہر نغمہ سنایا، بلکہ یہ بھی نہیں کہ پھول ہوں خار نہ ہوں، رنگینی ہو بے رنگی نہ ہو، نغمے ہوں نالے نہ ہوں، بہار ہو خزاں نہ ہو، نہریں ہوں بے آبی نہ ہو، عروج ہو زوال نہ ہو، صبح ہو دوپہر نہ ہو، جھٹپٹا ہو رات نہ ہو، چاندنی ہو تاریکی نہ ہو۔

خدا کی قسم کربلا کے چمن میں سب کچھ ہے تو پھر میری بھی مشکل حل ہوگئی، دشوار راہیں آسان ہوگئیں اور وہ ہیرا مل ہی گیا جو گدڑی میں لعل بھی بن سکے اور شاہوں کے تاج کی کلغی بھی۔ گو ہر شب چراغ بھی ہو آفتاب کی کرنوں میں ضوفگن بھی، شخصیت کی آنکھوں کا نور بھی اور جمہوریت کے دل کی ٹھنڈک بھی۔ میں یہ کیوں کہوں کہ حسینؑ نے خدا کی راہ میں قربانی دی اور خدا کو نہ ماننے والے چراغ پا ہوجائیں۔ میں یہ کیوں کہوں کہ حسینؑ نے نانا کا دین بچایا کہ رسالت کے نہ ماننے والے بگڑ جائیں۔ میں یہ کیوں عرض کروں کہ حسینؑ نے سرمایہ پرستی کو مٹانا چاہا کہ دولت مند دل میں کڑھنے لگیں۔ جی نہیں میں تو آپ کے سامنے کہوں گا اور صرف یہی کہوں گا کہ حسینؑ ایک انسان تھے اور بحیثیت انسان ہونے کے ان کا یہ فرض تھا کہ انسانوں کی مدد کریں، انسانیت کی حمایت کریں، آدمی کو آدمی بنانے کی کوشش کریں اور غافل، بے شعور، جاہل، مغرور گمراہ اور مقہور انسانیت کو سیدھا ڈھرا، صحیح راستہ، راہ مستقیم دکھادیں۔ اور بس یہی حسینؑ کا نقطۂ نظر تھا۔ یہی حسینؑ کا ذاتی فریضہ تھا، یہی حسینؑ کا منصب ان کا عہدہ، ان کا محل ان کو بتا رہا تھا۔ اور یہ میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ میری نظر میں اسلام اور انسانیت، مسلمان اور انسان تبلیغ اسلام اور تعلیم انسانیت، اسلام کی سنتیں اور واجبات اور انسانیت کی راہیں اور فرائض اگرچہ لفظوں کے اعتبار سے حروف کی حیثیت سے اپنی ظاہری لباس میں بالکل الگ الگ دو چیزیں ہیں مگر اصل میں، حقیقت میں، باطن میں معنوں کے لحاظ سے، نتیجہ کی حیثیت سے دونوں ایک ہیں۔ لہٰذا جب حسینؑ نے دنیا کو انسانیت سکھائی تو سب کچھ سکھا دیا اور جب فریضۂ انسانیت ادا کردیا تو ہر فریضہ ادا کردیا۔

حاضرین جلسہ! میں اپنے کلام میں محض دعویٰ ہی دعویٰ پر اکتفا کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ دلیل کے ساتھ، وقت تنگ ہے اور حسینؑ ابن علیؑ کی ذات وہ ذات ہے کہ جب ان کے دامن پر ہاتھ پہنچ جائے اور دل میں ان کی محبت موجزن ہو تو مجھ ایسا تنگ نگاہ بھی یہ کہنے پر تیار ہوجاتا ہے کہ دل میں ایک سمندر موجزن ہے جو کئی دن تک بیان کی وسعت کو آخری حدوں تک پہنچنے سے روک رہا ہے۔ لیکن بندشیں سخت ہیں اور قوت بھی اس بات کے برداشت سے منکر ہے اس لئے سمندر کو کوزہ اور دریا کو قطرہ اور طولانی بیان کو لفظوں اور اشاروں میں پیش کرکے اپنا ٹوٹا پھوٹا بیان ختم کرنا چاہتا ہوں۔

سنئے اور غور سے سنئے! کہ جب ہم بطن مادر سے باہر آتے ہیں تو نہ ہماری آنکھیں کام دیتی ہیں نہ کان مدد کرتے ہیں۔ نہ عقل سہارا دیتی ہے، اس وقت ہم میں اور ایک جانور میں اگر فرق ہوتا ہے تو صرف صورت میں ہاتھ پیر میں، ناک نقشہ میں۔ لیکن افعال، حالات اور سیرت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا۔ البتہ رفتہ رفتہ ہم میں اور جانور میں فرق ہونے

لگتا ہے۔ آنکھیں ہمارے اچھے برے اور اپنے پرائے کی تمیز کرتی ہیں۔ کان آوازوں کو پہچانتے ہیں تمام حواسوں کے ساتھ عقل بھی رہبری شروع کر دیتی ہے اور یہی وقت ہوتا ہے جب ہم یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ آسمان ہے یہ زمین ہے یہ آگ ہے یہ پانی ہے یہ پھول ہے یہ کانٹا ہے۔ یہ چیزیں فلکی ہیں یہ عنصری ہیں، یہ جماد ہے پتھر ہے مٹی ہے یہ بے حس ہے، یہ درخت ہے نبات ہے، پھول ہے، پھل ہے بڑھتا ہے، گھٹتا ہے، پیدا ہوتا ہے، مٹ جاتا ہے، مگر پھر بھی بے حس ہے، یہ حیوان ہے جو دیکھتا ہے، سنتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، سوتا ہے، جاگتا ہے، چلتا ہے، پھرتا ہے، محبت کرتا ہے، نفرت کرتا ہے، ملتا ہے، لڑتا ہے، اپنا بچاؤ کرتا ہے، حملہ کرتا ہے، غصہ کرتا ہے، برداشت کرتا ہے، راحت اُٹھاتا ہے، زحمت سہتا ہے، اپنے کھانے پینے کی فکر کرتا ہے، اپنے بچوں کی پرورش کرتا ہے مگر ان تمام باتوں کے بعد بھی جانور ہے۔ مگر ان تمام چیزوں کے بعد بھی ہم اپنی طرف اور اپنے بنی نوع کی طرف نظر کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ پتھروں کی طرح ہم میں جسم ہے مادہ ہے عناصر ہیں مگر ہم جماد نہیں، پتھر نہیں، مٹی نہیں۔ درختوں کی طرح ہم میں بڑھنا ہے، گھٹنا ہے، پھول ہیں، پھل ہیں، خوشبو ہے، بدبو ہے، رگیں ہیں، ریشے ہیں، بہار ہے، خزاں ہے، اصلیں ہیں، شاخیں ہیں، مزہ ہے، بدمزگی ہے مگر اس کے بعد بھی ہم نبات نہیں، درخت نہیں، پھول نہیں، پتی نہیں۔ جانوروں کی طرح ہم میں جسم ہے، گوشت ہے، ہڈیاں ہیں، پٹھے ہیں، خون ہے، رطوبات ہیں، کھانا ہے، پینا ہے، سونا ہے، جاگنا ہے، رحم ہے غصہ ہے، صلح ہے، جنگ ہے۔ سب ہی کچھ وہی ہے جو ایک جانور میں ایک حیوان میں ہے مگر پھر بھی ہم حیوان نہیں، جانور نہیں بلکہ اچھے خاصے انسان ہیں۔ تو جناب

عالی جب ہم میں وہ سب کچھ ہے جو پتھروں میں ہے تو ہم پتھر کیوں نہیں اور جب ہم میں وہ سب کچھ ہے جو نباتات میں ہے تو ہم درخت کیوں نہیں اور جب ہم میں وہ چیزیں موجود ہیں جو جانوروں میں ہیں تو ہم جانور کیوں نہیں۔ اس کا جواب اگر ہوسکتا ہے تو صرف یہی ایک جواب کہ بے شک ہم جماد ہوتے پتھر ہوتے۔ اور یہی حالت ہماری ماں کے پیٹ میں تھی جب ہم پانی کی شکل میں تھے مگر خدا نے یا فطرت نے یا نیچر نے ہم میں نمو اور بڑھنے کی صفت دے کے جماد باقی نہ رکھا۔ یقیناً ہم نبات ہوتے درخت ہوتے اور یہی صورت ہماری ماں کے پیٹ میں تھی جب ہم میں رگ وریشہ پیدا ہو رہے تھے مگر خدا نے یا فطرت نے یا نیچر نے ہم میں روح ڈال کے حس وحرکت دے کے ہمیں نبات باقی نہ رکھا۔ اور ہم کو پورا پورا جانور بنا دیا۔ اور اسی جانور کی صورت سے اسی جانور کے طریقے سے، حیوانیت کی شکل میں ہم پیدا ہوئے اور پرورش ہوئے تو اب یہ غور طلب ہے کہ خدا نے یا فطرت نے ہم میں اب اور کون سی ایسی صفت بڑھائی۔ کس جزء کا اضافہ کیا، کیا چیز زیادہ کردی کہ ہم حیوان نہ رہے بلکہ انسان ہوگئے۔ تو کہنا پڑے گا کہ نفس انسانی یا نفس ناطقہ یا عقل۔ جو چاہے نام رکھئے مگر یہی ایک جزء تھا جو اگر نہیں تو انسان نہیں۔ انسانیت کے حکم میں نہیں، انسانیت کے برتاؤ میں نہیں، انسانوں کی سوسائٹی میں نہیں۔ اور اگر یہ جزء ہے تو انسان بھی ہے انسانیت کے حکم میں بھی ہے اس کے ساتھ انسانیت کا برتاؤ بھی ہے۔ انسانوں کی جماعت میں ہے۔ دیکھئے مجنوں، پاگل سڑی، سودائی، آنکھ بھی ہے دیکھتا بھی ہے، کان بھی ہے سنتا بھی ہے، زبان بھی ہے بولتا بھی ہے، آپ ہی کی طرح تمام اعضاء ہیں، صورت ہے، شکل ہے، حرکات وسکنات ہیں سب کچھ ہے

مگر آپ اسے انسان نہیں سمجھتے بلکہ جانور سمجھتے ہیں اور ہرگز اس پاگل کے ساتھ وہ برتاؤ نہیں کرتے جو انسان سے کرتے ہیں۔ بلکہ وہی سلوک کرتے ہیں جو جانوروں سے یعنی موذی نہیں تو کھلا رہا، نہیں تو باندھ دیا۔ کسی کو ضرر نہیں پہنچاتا تو آزاد رہا ورنہ کٹہرے میں بند کردیا۔ انسانوں کی مجلس سے الگ، محفل سے جدا، اگر چوری کرے تو سزا کا مستحق نہیں، جیسے جانور کسی کو مارڈالے تو قید کا مستحق نہیں جیسے حیوان کسی کو قتل کردے تو پھانسی پر نہ لٹکایا جائے جیسے جانور، تو معلوم ہوا کہ اگر آپ ان کو انسان سمجھتے ہوتے تو انسانوں کا سا سلوک کرتے۔ انسان کی سی سزائیں دیتے انسانیت کے کام لیتے، انسانوں کی بزم میں شریک کرتے مگر جب آپ نے یہ کچھ نہ کیا تو آپ کا طرز عمل پکار اٹھا کہ محض صورت کو دیکھ کر اس پاگل کو جانور کہتے ہوئے ڈرتے ہیں جھجکتے ہیں لیکن ہے درحقیقت جانور ہی بلکہ یوں عرض کروں کہ ہم نے کسی ایسی صورت والے کو کبھی جانور نہیں کہا اس وجہ سے ہماری عادت اس پاگل کو جانور کہنے سے رُکتی ہے لیکن ہمارا ہر برتاؤ بتاتا ہے کہ یہ محض صورت میں انسان ہے مگر حقیقت میں جانور ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جس چیز نے انسان کو انسان بنایا وہ صرف عقل ہے، سمجھ ہے نفس ناطقہ ہے۔

اب یہ سوال ہوتا ہے کہ یہ عقل یہ نفس ناطقہ ہے کیا چیز اس کی اصل اس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے۔ تو میں عرض کروں گا کہ اگر آج تک آپ کی عقل میں آپ کے دماغ میں کسی شئے کی اصل وحقیقت آ گئی ہو تو آپ آج بھی یہ کوشش کریں کہ عقل کی حقیقت و ماہیت کیا ہے۔ لیکن جب آج تک کسی شئے کی اصل حقیقت آپ کی سمجھ میں نہیں آئی کسی شئے کی ماہیت آپ کو معلوم نہیں ہوئی تو عقل کی حقیقت معلوم کرنے میں کوشش نہ کریں۔ میری التماس کو آپ یوں سمجھیں کہ دنیا کی لاکھوں کروڑوں چیزیں آپ کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔ کسی کو آپ دیکھ رہے ہیں، کسی کو سن رہے ہیں، کسی کو سونگھ رہے ہیں، کسی کو چکھ رہے ہیں۔ کسی چیز کو چھو کے محسوس کررہے ہیں، لیکن جب آپ سے سوال کیا جائے کہ ان کی اصل کیا ہے۔ ان کی حقیقت و ماہیت کیا ہے تو صرف آپ ہی نہیں بڑے سے بڑا حکیم اور فلسفی بھی جواب دینے سے عاجز ہوگا اور ہر شے کے صفات اس کے اثرات، خواص وافعال بیان کر کے خاموش ہوجائے گا اور اظہار حقیقت میں عقل کامل اور زبردست علمی معلومات بالکل بے حقیقت ہوجائیں گے۔ بوئے گل کیا ہے؟ جواب ملے گا کہ وہ کیفیت جسے قوت شامہ محسوس کرتی ہے۔ نغمۂ بلبل کیا ہے؟ جواب ملے گا کہ یہی جس سے قوت سماعت متاثر ہورہی ہے۔ کسی چیز کی شیرینی یا ترشی کیا ہے؟ جواب ملے گا کہ وہ کیفیت جسے قوت ذائقہ محسوس کررہی ہے۔ آگ کی گرمی اور برف کی سردی کیا ہے؟ جواب ملے گا کہ وہ کیفیت جسے جسم محسوس کرتا ہے۔ اور آگے بڑھئے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ ہم اور آپ اور یہ تمام انسان جو ہمارے ابنائے جنس ہیں ان کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے تو جواب ملے گا کہ حیوان ناطق یعنی وہ جانور جس میں حِس ہے، ادراک ہے، سمجھ ہے، عقل وفہم ہے لیکن درحقیقت حس ہونا، ادراک ہونا، عقل وفہم ہونا یہ تمام باتیں بیان صفات واظہار کیفیات سے زائد کچھ نہیں البتہ بیان ماہیت کے مقام پر اگر کوئی چیز ملتی ہے تو حیوان جس میں یہ صفتیں ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ حیوان کیا ہے؟ تو بس ایک کہ وہ جسم جس میں بڑھنا گھٹنا ہے، حس ہے، ادراک ہے، حرکت ارادی ہے، سماعت وبصارت ہے۔ لیکن یہ تمام چیزیں صفات میں ہیں، حسن ہونا یا نہ ہونا، سماعت وبصارت ہونا یا نہ ہونا یہ سب جسم کی صفتیں ہیں اور مقام ماہیت

وحقیقت میں صرف جسم ہی جسم نظر آتا ہے۔لہٰذا سوال ہوگا کہ جسم کی حقیقت کیا ہے؟ تو جواب ملے گا کہ جسم وہ جوہر ہے وہ مادہ ہے جس میں لمبان، چوڑان اور گہران پائی جائے اور جو کسی مکان کے بغیر نہیں ہوسکتا۔لیکن گہری نظر بتاتی ہے کہ یہ سب چیزیں صفات میں ہیں اور مقام حقیقت میں صرف مادہ رہ جاتا ہے لیکن جب سوال کیا جائے کہ مادہ کیا ہے تو تمام حکمائے سابق اور موجودہ فلسفہ کے عالم صرف یہی جواب دیتے ہیں کہ مادہ یا ایتھر یا مادہ کے اجزاء اولیٰ، یا ایٹم، یا سالمات وہ چھوٹے چھوٹے ذرے ہیں جو تمام فضائے عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔اپنی سختی اور اختصار کی وجہ سے نہ کسی آلہ سے کٹ سکتے ہیں نہ کسی ضرب سے ٹوٹ سکتے ہیں نہ کسی تقسیم خارجی یا عقلی کو قبول کرسکتے وہ ازلی ہیں ابدی ہیں ان میں قوت جذب اور دفع دونوں موجود ہیں۔

یہ تمام بحثیں اپنے اپنے محل پر قابل تصفیہ اور میرے موضوع سے الگ ہیں کہ کوئی ایسا ذرہ ممکن بھی ہے یا نہیں جو تقسیم عقلی کو بھی قبول نہ کرتا ہو۔اور اگر تقسیم عقلی کے قابل نہیں تو وہ جسم ہے یا نہیں۔اور غیر مجسم ہونے کی صورت میں ایسے اجزاء سے جسم کی تشکیل محال ہے اور پھر اگر مادہ میں حس کی قوت نہیں تو حس پیدا کیونکر ہوئی۔اور اگر ایک ہی قسم کا ہے تو اختلاف اثرات ونتائج کیونکر ہوا۔اور اگر مختلف قسم کے ہیں تو ایک سے زائد قدیم کیونکر ممکن ہیں؟ کیونکہ ایک سے زائد ہوں گے تو لامحالہ مابہ الاشتراک اور مابہ الامتیاز دو جزء ماننا لازم ہوں گے اور جب دو جزؤں سے ترکیب ہوگی تو قدیم نہ ہوگا حادث ہوگا۔

یہ تمام بحثیں بے حد طولانی ہیں، اگر میں انھیں بحثوں میں الجھ جاؤں تو جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں وہ نامکمل رہے گا۔اس لئے میں اس وقت صرف اتنا ہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب مادہ یا ایتھر یا عالم کے اجزاء اولیٰ کی تحقیق کی جائے تو ہر حکیم اور فلسفی اشارہ اور ضمیر یعنی لفظ وہ سے اپنے کلام کی ابتداء کرتا ہے۔ اور بیان صفات وخواص مادہ شروع کر دیتا ہے۔اس سے آگے معلومات انسانی اور اسی کے ساتھ ساتھ قوت ناطقہ کی حد ختم ہوجاتی ہے جو ثابت کررہا ہے کہ معلومات انسانی کی حد صرف صفات اور خواص اثرات وافعال تک منحصر ہے۔اسی انسانی فہم کی کمزوری کو دیکھتے ہوئے تمام انبیاء تمام مرسلین بلکہ خود تمام آسمانی کتابوں نے معرفت خالق میں بیان صفات اور افعال پر اکتفا کی اور انھیں صفات کی راہوں اور افعال کے راستوں سے انسان کو خالق اور موصوف کی معرفت تک بلند کیا اور بتا دیا کہ خالق کی حقیقت وماہیت عقل انسانی کی رسائی سے اسی طرح بلند ہے جس طرح دنیا کی ہر شئے اپنی ماہیت کے اعتبار سے ہمارے فہم میں نہیں سماتی۔ بہت ممکن ہے کہ میری اس تمہید کو عینیتِ ذات وصفات کا ثبوت قرار دیا جائے مگر یہ بھی علم کلام کی ایک زبردست بحث ہے جس کے طے کرنے کا یہ محل نہیں۔اس تمام تمہید سے میری غرض یہ تھی کہ جس طرح کسی شئے کی حقیقت وماہیت ذہن انسانی میں نہیں آتی اسی طرح یہ مسئلہ بھی ہمارے طے کرنے کے قابل نہیں کہ وہ جزء جس نے حیوان کو انسان بنا دیا یعنی عقل، فہم، نفس ناطقہ، حقیقت اور ماہیت میں کیا ہے۔ البتہ اگر ہم اس جزء کو پہچان سکتے ہیں تو محض اس کے خواص افعال اور اثرات کو دیکھ کے بلکہ اگر کسی انسان سے کوئی فعل، کوئی کام، کوئی بات، ظاہر نہ ہو تو ہم یہ بھی نہیں سمجھ سکتے ہیں کہ اس انسان میں نفس ناطقہ ہے بھی یا نہیں۔لہٰذا ضروری ہے کہ ہم افعال انسانی کی تحقیق کریں اور یہ دیکھیں کہ کون کون سے فعل نفس ناطقہ اور عقل انسانی سے مخصوص ہیں اور کون سے کام جماد،

نبات، حیوان وانسان میں مشترک ہیں؟

اس سوال کے حل کرنے میں موالید ثلٰثہ یعنی جماد ونبات وحیوان کی ان پوشیدہ قوتوں پر نظر کرنا ضروری ہے جو ان میں سے ہر ایک میں کارفرما ہیں۔ دنیا میں کوئی اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ خدا نے یا فطرت نے یا نیچر نے جو چیز بھی پیدا کی اس میں کوئی نہ کوئی روح ضرور پیدا کی جس کو نفس بھی کہا جاسکتا ہے اور قوت یا پراکرتی سے بھی اس روح کو سمجھا یا جاسکتا ہے ہم کو ان روحوں یا قوتوں کی نہ حقیقت معلوم ہے نہ ماہیت، اور نہ ہم یہی معلوم کر سکتے تھے کہ کس چیز میں کون سی روح کام کر رہی ہے۔ لیکن محض آثار وافعال نے ہم کو بتایا کہ ہر اس جسم میں جو بڑھتا گھٹتا نہیں اپنی ایک حالت پر قائم رہتا ہے جیسے سنگ خارا، سنگ مرمر، ہیرا، یاقوت، سونا، چاندی وغیرہ ان سب میں ایک قوت منتظمہ جس کا نام ہے روح جمادی ضرور موجود ہے جس کا کام یہ ہے کہ اپنی قوت جذب ودفع سے اس جسم کے ہر جزء کو اپنے محل پر باقی رکھے اور خالق کی یا فطرت کی دی ہوئی شکل کو کسی قہری صورت کی دخل اندازی کے علاوہ اس کی اصلی حیثیت پر قائم رکھے۔ لیکن نبات میں یعنی شاخ، پھول، پتی برگ وثمر میں دو روحیں موجود ہیں۔ ایک وہی روح جو جمادات میں ہے جس کا کام یہ ہے کہ وہ تمام اجزاء کو منتشر نہ ہونے دے اور دوسری وہ روح جو اس جسم میں نمو دیتی ہے بڑھاتی ہے۔ تولید وتناسل یعنی ایک سے ایک درخت پیدا کرنے کی قوت دیتی ہے۔ یہ اسی روح نباتی کا کام ہے کہ جب کوئی مختصر سا تخم زمین پر ڈال دیا جاتا ہے اور پانی کی تری روح نباتی سے چھیڑ کرتی ہے تو وہ تخم بڑھتا ہے پھیلتا ہے اور ایک زبردست درخت بن کے ظاہر ہوتا ہے۔ اس درخت میں شاخیں پیدا ہوتی ہیں۔ پھول کھلتے ہیں، پھل آتے ہیں اور اس پھل سے بالکل ویسے ہی سیکڑوں تخم اور بیج پیدا ہوجاتے ہیں۔ جب تخم زمین میں ڈالا گیا تھا۔ اب اگر ان تمام بیجوں کو زمین میں ڈال دیا جائے تو پہلے درخت کے مثل سیکڑوں درخت اور پیدا ہوجاتے ہیں۔ یہی ہے نمو اور تولید۔

نباتات کے بعد حیوان کا درجہ ہے لہٰذا جب ہم حیوان کے حالات اور افعال پر نظر کرتے ہیں تو ہماری عقل بتاتی ہے کہ اس میں تین قوتیں کام کر رہی ہیں ایک وہ جو اس کے جسم کو باقی رکھتی ہے دوسرے وہ جو حیوان میں نمو اور تولید وتناسل کی قوت دیتی ہے۔ تیسری وہ روح جو جانوروں میں حس، حرکت ارادی، سماعت، بصارت، ادراک جزئیات وغیرہ پیدا کرتی ہے اور اس روح کے ساتھ دو نفس یا دو قوتیں انسان میں اور پیدا ہوتی ہیں۔ ایک نفس سبعی جس کا ترجمہ قوت وغضب اور غصہ سے کرنا ناگزیر ہے۔ دوسرے نفس بہیمی جس کے معنی خواہشات وجذبات ہی کہے جاسکتے ہیں۔ نفس سبعی سے انسان میں غیظ وغضب اور مزاج کے خلاف چیزوں کے دفع کرنے کی قوت، دشمن سے مقابلہ کرنے کی طاقت، سربلندی، حکومت، جاہ وعظمت حاصل کرنے کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور نفس بہیمی کے کھانے پینے، سونے جاگنے، توالد وتناسل، لذت وراحت، زینت وآرائش، آسائش وآرام کی خواہشیں حادث ہوتی ہیں۔

حیوان کے بعد انسان کی منزل ہے۔ لہٰذا جب ہم حالات انسانی پر تحقیقی نظر ڈالیں گے تو ہم کو معلوم ہوگا کہ اس میں وہ کل روحیں یعنی جمادی، نباتی، حیوانی، نفس سبعی، نفس بہیمی موجود ہیں اور یہ تمام قوتیں انسان میں کام کر رہی ہیں۔ اور ہر قوت کے آثار وافعال انسان سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ لہٰذا اگر ہم نے یہ مان لیا کہ افعال انسانی صرف ایسے ہی اثرات میں منحصر ہیں جو حیوانات میں موجود ہیں اور ان سے الگ کوئی فعل

یا اثر انسان سے ظاہر نہیں ہوتا تو انسان اور حیوان میں فرق کرنا ناممکن ہوگا البتہ اگر انسان میں جماد و نبات وحیوان سے الگ بھی کچھ افعال واثرات موجود ہیں تو یہ کہنا ناگزیر ہوگا کہ اس میں کوئی چوتھی روح یا نفس یا قوت کارفرما ہے جو نہ جماد میں ہے نہ نبات میں ہے نہ حیوان میں ہے۔ اسی کا نام ہے نفس انسانی یا روح بشری یا عقل یا نفس ناطقہ یا قوت ملکی۔

اس مقام تک پہنچنے کے بعد منزل تحقیق میں آخری بات صرف یہی رہ جاتی ہے کہ ہم انسان کے تمام افعال پر گہری نظر ڈالیں اور یہ دیکھیں کہ کون کون سے افعال وہ ہیں جو حیوان اور انسان دونوں میں مشترک ہیں اور کون کون سے افعال وہ ہیں جو انسان سے مخصوص ہیں۔ اس نقطۂ نگاہ سے افعال انسانی کی جانچ کرنے میں ہم کو کہنا پڑے گا کہ جسم کی حفاظت اور اس کے بقا کی تدبیریں جسمانی قوتوں میں بصارت، سماعت، حس وحرکت، سونگھنے اور چکھنے، سونے اور جاگنے، کھانے اور پینے، توالد وتناسل، مکان بنانے، حکومت کرنے، دشمن سے مقابلہ، خلاف طبیعت چیزوں کا دفع کرنا، محبت ونفرت جسم اور اس کی تمام قوتوں میں زیادتی وکمی، اولاد کی تربیت اور پرورش، دشمن سے بچنے کی کوششیں، ادراک جزئیات، طلب معاش میں سعی، بلکہ بعض قسم کی صنعت وحرفت، مختلف دواؤں اور تدبیروں سے علاج ومعالجہ وغیرہ وغیرہ کل کے کل حیوانات میں موجود ہیں۔ بلکہ بعض جانور تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہماری ہی طرح بول بھی لیتے ہیں اور ہمارے احکام کی اطاعت بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ تمام افعال انسانیت سے مخصوص نہیں ہیں یہ یا ان سے ملتے جلتے ہوئے کل اعمال وافعال جانوروں میں موجود ہیں اس لئے ماننا پڑے گا کہ ان میں سے کوئی ایک فعل بھی اس جز کا اثر وثمر نہیں۔ جس نے انسان کو حیوان سے ممتاز کر دیا۔ البتہ علم وحکمت یعنی بقدر قوت وامکان بشری حقائق اشیاء کو معلوم کرنا، حکمت نظری کے منازل سے گذرنا، جزئیات کو دیکھ کے کلیات کو سمجھنا مشاہدات کے ذرائع سے بلند ہوکر نظریات تک پہنچنا اور صحیح نتائج نکالنا، یاد رکھنا اور فکر کرنا۔ تمام جمادی، نباتی، حیوانی روحوں کے ضروریات اور جذبات، خواہشات کو قابو میں رکھنا اور مختلف تدابیر کے ساتھ موقع اور محل کا لحاظ کرتے ہوئے ہر قوت سے کام لینا۔ بس یہی وہ افعال ہیں جو عقل اور نفس ناطقہ سے مخصوص ہیں۔

حقائق اشیاء کی تحقیق اور جزئیات سے کلیات تک پہنچنے ہی کا حقیقی نتیجہ ہے۔ خالق کی معرفت اور اس کی اطاعت کے جذبات وشوق جس کو دوسرے لفظوں میں یوں سمجھایا جاسکتا ہے کہ اپنے مالک کو پہچاننا اور اس کی اطاعت کرنا ہی وہ افعال ہیں جو حیوان میں نہیں بلکہ انسان سے مخصوص ہیں۔ لیکن کہا جاسکتا ہے کہ جانور بھی جس کے ہاتھ سے رزق پاتا ہے جو اس کی تربیت کرتا ہے، پالتا ہے، اس کی اطاعت کرتا ہے اپنے مالک کو خوب پہچانتا ہے۔ یہ فعل بھی انسان سے مخصوص نہیں لیکن فرق یہ ہے کہ حیوان صرف اس مالک کو پہچانتا ہے جس کے ہاتھ سے رزق پاتا ہے۔ ظاہر بظاہر جانور کی تربیت اور پرورش کرتا ہے اور وہ جانور برابر اس مالک کو دیکھتا رہتا ہے لیکن انسان اس مالک کو پہچانتا ہے اس خالق پر ایمان اختیار کرتا ہے جو انسان کی تربیت کرتا ہے، پیدا کرتا ہے، رزق دیتا ہے۔ مگر انسان نے اس کو کبھی نہیں دیکھا۔ کبھی اس پر نظر نہیں کی۔ دیکھا ہے ذریعوں کو واسطوں کو اور پہچانتا ہے، مالک حقیقی اور خالق اصلی کو۔ لہٰذا اگر انسان بھی اپنے حقیقی مالک اور ولی نعمت کے پہچاننے میں دیکھنے اور رویت کا محتاج ہو تو اس انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔ البتہ انسان وہ ہے جو رویت کا محتاج نہ ہو۔ اس لئے

ایمان میں غیب کی شرط ہے تا کہ بشریت ممتاز رہے اور اپنے پہچنوانے کے واسطے خدااس کا محتاج نہ ہو کہ اس کا کوئی اوتار ہو یا کسی میں جنم لے یا کسی جسم کے اندر ظاہر ہو۔ اور نہ وہ اپنے افعال اور اظہار قدرت میں کسی جسم کا محتاج ہے بلکہ کسی جسم کے اندر آنا یا جنم لینا اس کو معدوم، قابل تقسیم، تغیرات سے متاثر و متکیف بنا کے غیر قدیم اور حادث بنا دے گا۔

میرے اس بیان سے واضح ہو گیا کہ خدا کی صحیح معرفت اور اس کی اطاعت کا شوق جس کی دوسری تعبیر عبادت سے کی جاتی ہے نفس ناطقہ اور عقل ہی کے سبب سے پیدا ہوتی ہے۔ یہی وہ قوت ہے جو انسان کو غور وفکر اور فلسفیانہ تحقیقات، دریافت ابتداء اور انتہاء پر مائل کرتی ہیں اور چونکہ خالق کا وجود اس کی وحدت، عدل، علم وقدرت وغیرہ حقائق میں داخل ہیں اور صحیح غور وفکر کا نتیجہ واقعیات ہی ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا عقل ہی ان تمام ارکان ایمانی تک راہبری کرتی ہے۔ جس کے بعد وہ جذبات محبت خالق اور پیدا کرنے والے کی رضا اور غضب کی تلاش پر مائل کرتی ہے جس کے نتیجہ میں انسان کا ہر ہر فعل ایک ایسے دستور العمل کا تابع ہوجاتا ہے جو اس عمل کو پسندیدۂ خدا بنا دے۔

دوسرا فعل جو انسان سے مخصوص ہے وہ ہر قوت کا صرف با محل ہے اگر انسان بھی جانور کی طرح اپنے جذبات اور خواہشات سے مجبور ہو کر کام کرتا رہے تو ایسے انسان میں اور جانور میں کوئی فرق نہیں لیکن انسان صرف وہی ہوگا جو ہر جذبہ اور خواہش کے صرف کا محل دیکھنے کے بعد ان سے کام لے، اور محل اور موقع کی تعیین کبھی وقتی اور ذاتی یا ملکی وقومی مضرت ومفاد سے کی جاتی ہے اور کبھی صرف شرعی نقطۂ نظر سے کی جاتی ہے، لیکن خالق کو پہچان لینے کے بعد اس کی رضا اور تقرب کی رعایت، تمام مصالح ملکی یا ذاتی وقومی سے یقیناً افضل و بہتر بلکہ سب پر مقدم ہے لہٰذا انسان صرف وہی ہے جس کی عقل، روح نباتی، جمادی، حیوانی، نفس سبعی اور بہیمی کی اطاعت میں کام نہ کرے بلکہ یہ تینوں روحیں اور دونوں نفس جب کوئی جذبہ یا خواہش عقل کے سامنے پیش کریں۔ تو عقل اس جذبہ اور خواہش کا محل، نفع وضرر، خدا کی رضا اور غضب کا لحاظ کر کے ان تینوں روحوں سے کام لے۔ یہی ہے عین انسانیت جس کی بڑی سے بڑی تعلیم حسینؑ بن علیؑ نے کربلا کے میدان میں یوں مکمل کر دی کہ آج تیرہ سو برس گذرنے کے بعد بھی دنیا اس تعلیم سے اثر لینے میں کوشاں ہے۔

اگر انسان کا کام یہ ہے کہ وہ ہر چیز کی حقیقت معلوم کرے اور ہمیشہ صحیح نتیجہ نکالے تو حسینؑ ابن علیؑ کی کل سوانح عمری اور آپ کی زندگی کا ہر عمل اس کا بین ثبوت ہے کہ آپ کی قوت نظر کس درجہ بلند تھی کہ آپ کے ہر فعل کا نتیجہ ہمیشہ سمجھا بوجھا اور ہر بافہم کے نزدیک بالکل صحیح ہی برآمد ہوا۔ بھائی کی زندگی اور ان کے انتقال کے بعد تقریبا دس برس تک کامل سکوت اور امیر شام کے ظلم وتعدی پر صرف احتجاج کر دینے پر اکتفا، معاویہ کی زندگی میں ہی یزید کی بیعت سے انکار اور ان کے مرنے کے بعد اسی انکار پر ثابت قدم رہنا، مدینہ چھوڑ کے مکہ میں قیام اور کوفہ والوں کے اصرار نیز یزید کی طرف سے حاجیوں کے لباس میں ایسے لوگوں کی آمد کے بعد جن کو ہدایت کی گئی کہ جہاں حسینؑ کو پائیں قتل کر دیں حرمت خانہ کعبہ کا لحاظ نیز اپنی شہادت کو اہمیت دینے کے واسطے مکہ سے کوفہ کی طرف سفر کرنا، حُر کے ساتھ حسن سلوک اور قوت ہونے کے بعد بھی حُر سے جنگ کی ابتدا نہ کرنا، کربلا میں آنے سے قبل اور اس ویران زمین پر پہنچنے کے بعد کمزور اور دنیا طلب اشخاص کو جو

راستہ میں ہمراہ ہوگئے تھے سمجھا سمجھا کر اور صحیح حالات بتا بتا کے اپنے ساتھ سے الگ کر دینا ہر صورت سے اتمام حجت اور اپنی حقیقت، مظلومی اور دیانتداری کا ثبوت پیش کر کے دفاعی صورت سے جہاد شروع کرنا، لشکر کی ترتیب، مورچوں کی تعیین، بہرحال کوئی ایک فعل بھی حسینؑ ابن علیؑ کا ایسا نہ تھا جس میں حسینؑ نے کسی قسم کی غلطی کی ہو یا دھوکا کھایا ہو یا کوئی ندامت انگیز طرز عمل اختیار کیا ہو۔

جاہلوں کے دل میں شبہ پیدا ہوا کہ علی اصغرؑ کے سے کمسن بچہ کو میدان میں لانے کا سبب کیا تھا لیکن آج جب کہ تمام دنیا کے بافہم شہادت حسینی پر تقریر وتحریر کے ذریعہ سے روشنی ڈال رہے ہیں تو دنیا دیکھ رہی ہے کہ ہر غیر مسلم کی زبان پر سب سے زائد اسی بے شیر کا تذکرہ اور اسی کمسن بچہ کا نام آرہا ہے جو اس کی دلیل ہے کہ جس طرح آپ نے اس بچہ کو اپنے خزانہ کا آخری موتی سمجھ کر پیش کیا تھا در اصل تمام عالم نے بھی اس بچہ کو حسینی قربانی کی اعلیٰ منزل تسلیم کر لیا۔

اس وقت بھی سوال ہوئے اور آج بھی اعتراض ہوسکتا ہے کہ کربلا کے میدان میں چھوٹے چھوٹے بچوں اور عورتوں کے ساتھ لانے کی غرض کیا تھی؟

لیکن جس طرح رسولؐ کے اس نواسہ کا ہر کام ظاہری اعتبار سے کتنا ہی تعجب خیز کیوں نہ ہو لیکن نتائج کے لحاظ سے مفید ثابت ہوکے رہا اسی طرح اہل حرم کا ساتھ ہونا بھی تکمیل فوائد شہادت کے واسطے جزء لازم تھا۔

اگر امام حسینؑ کے ساتھ صرف جوان اور جنگ کے قابل مرد ہی ہوتے تو جہاں اس مظلوم کو یہ الزام دیا جاتا کہ پہلے ہی سے لڑائی کا خیال دل میں ٹھان کر نکلے تھے وہاں ایک ضرر یہ بھی تھا کہ جب حسینؑ کے تمام ساتھ والے کربلا میں قتل کر دیئے جاتے تو واقعات شہادت کو بتانے والے صرف دشمن ہی دشمن ہوتے جن کا فرض اول یہ تھا کہ تمام الزام حسینؑ پر رکھ کے اپنے کو مجبور اور بے خطا ثابت کریں، واقعات کو چھپائیں، غلط حالات پیش کر کے دنیا کو دھوکے دیں اور اس طرح حسینی قربانی کی تمام افادی حیثیت نیست و نابود ہوجائے۔ مگر یہ صرف حسینی قافلہ کی عورتوں اور بچوں ہی کا فیض ہے کہ آج دنیا حسینیت کی سچی تعلیم اور یزیدیت کی حقیقی تصویر سے باخبر ہے۔

میں ثابت کر چکا کہ عقل انسانی ہی معرفت خدا اور اس کی اطاعت کے جذبات پیدا کرتی ہے لہٰذا حسینؑ ابن علیؑ نے محض دین خدا کی حفاظت کی غرض سے قربانی پیش کر کے جذبات اطاعت خالق کی جو بہترین مثال پیش کی اس کا جواب عالم کی تاریخ میں ناممکن ہے۔ پھر اس کے بعد جنگ کے عالم میں بھی خدا کو نہ بھولنا اس کی عبادتوں کو ہر وقت یاد رکھنا ثابت کر رہا تھا کہ اس مظلوم کا ہر فعل انسانیت کاملہ کا مظہر تھا اور اسی انسانیت کی تعلیم کے واسطے اس مظلوم نے یہ تمام قربانیاں گوارا کر لیں تھیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس مظلوم کے بہادر ساتھیوں نے یزیدی لشکر کے ہزاروں ہی آدمی قتل کر دیئے اور یزیدی لشکر نے بھی ان بہتر سپاہیوں کو شہید کر ڈالا مگر آج دنیا کا ایک بافہم بھی اصحاب حسینؑ کو ظالم اور یزیدی لشکر کے کشتوں کو مظلوم نہیں کہتا بلکہ تمام دنیا معترف ہے کہ یزید والے ظالم اور بہتر مظلوم تھے۔ جس کی وجہ صرف یہی تھی کہ حسینؑ والے انسانیت کی لڑائی لڑ رہے تھے اور یزید والے حیوانیت کی۔ حسینی لشکر کا ہر عمل عقل انسانی کے بعد تھا۔ اور یزیدی لشکر کا فعل جذبات بہیمت وحیوانیت اور ان کی نیت اطاعت خالق تھی جو عین انسانیت اور ان کی نیت اطاعت نفس امارہ تھی جو عین حیوانیت، یقیناً امام

حسینؑ کربلا کے پرہول میدان میں پکار رہے تھے "اما من ناصر ینصرنا" لیکن اس کا حقیقی مطلب صرف یہی تھا کہ اگر دنیا میں کوئی انسان نما حیوان دراصل انسان بننا چاہتا ہو تو میری طرف آجائے تاکہ انسان کامل بن کے دنیا میں رہے اور حسینؑ کی یہ آواز اب بھی دنیا سے نصرت و مدد طلب کرکے انسانیت کی دعوت دے رہی ہے اور حق یہ ہے کہ آج بھی انسان صرف وہی ہیں جن کے قدم حسینی راستوں سے الگ نہ ہوں۔

یہ یقینی ہے کہ تذکرہ حسینی کے انسانیت آموز افادی پہلو کو ترک کرکے صرف گریہ وبکا پر اکتفا کرنا غلطی ہے مگر مظلومیت کی داستان سن کر نہ رونا بھی کوئی اچھا راستہ نہیں ہے۔ ائمہ معصومینؑ کا حکم ہے گریہ کرو اور زائد سے زائد گریہ کرو۔ جس کے افادی پہلو بہت زائد ہیں۔ مگر اس مقام پر میں صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ جو نافہم کہہ بیٹھتے ہیں کہ رونا رلانا سینہ زنی کرنا عورتوں کا کام ہے۔ مرد کے ہاتھ میں تلوار اور دل میں فداکاری کے جذبات ہونا چاہئے ہیں میں بھی کہتا ہوں کہ رونا بے شک عورتوں کا کام ہے۔ مردوں کو زیب نہیں دیتا۔ مگر نہ ہر رونا بلکہ صرف وہ جو اپنے درد پر ہو، اپنی چوٹ پر ہو جیسے لکڑی کی چوٹ کھا کے چیخ اُٹھنا، تلوار کا زخم کھا کے رو دینا نامردی ہے اور ضرور نامردی ہے۔ مگر دوسرے کے درد دُکھ مصائب دیکھ کے یا سن کے رو دینا عین انسانیت ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسان انسان نہیں ہمارے سامنے کسی بچہ کو تکلیف پہنچائی جائے اور ہم دیکھ دیکھ کے مسکرائیں تو بہیمیت ہے، حیوانیت ہے اور اگر آنسو نکل آئیں تو عین انسانیت ہے۔ تکالیف شرعی کی تعیین تو اپنے محل ہی پر ہوسکتی ہے مگر اس وقت تو میں صرف اتنا ہی کہتا ہوں کہ شیعوں نے ہاتھوں سے، زنجیروں سے، تلواروں سے ماتم کرکے دکھا دیا کہ جرأت وہمت اور برداشت کی قوت کس قدر ہے مگر اسی کے ساتھ ذکر مصائب سن کے گریہ وبکا سے یہ ثابت کردیا کہ انسانوں سے ہمدردی دوسروں کی مصیبت میں دل کا تاثر بلکہ انسانیت کے حقیقی جذبات کس قدر ہیں۔

بعینہ یہی چیز تھی جو کربلا کے خونی آئینہ میں حسینؑ ابن علیؑ نے گریہ اور مسکراہٹ غم اور مسرت، رونے اور ہنسنے کے مختلف نقشوں میں پیش کی تھی۔ جب اہلبیتؑ کی مصیبت، دوستوں کا غم، بچوں کا مرنا، عزیزوں کے گہرے اور دلدوز زخم دیکھے تو رو دیئے مگر جب اپنی نوبت آئی تو نیزوں، تیروں، تلواروں، پتھروں کے سیکڑوں زخم پڑنے کے بعد بھی مسکراتے رہے۔

وہ تھی عین انسانیت اور یہ تھی عین شجاعت و مردانگی۔

❀❀❀

(بقیہ............ایمان اور عمل صالح)

وہ اللہ کی طرف سے برحق ہے اور واجب التسلیم ہے۔

سارے انبیاء پر ایمان لانے کے بارے میں یہ بات بہت اہم ہے کہ تمام رسولوں کو اس طرح تسلیم کیا جائے کہ ان کے درمیان کسی قسم کا فرق نہ کیا جائے۔ ان سب کو یکساں احترام کے ساتھ مانا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی کو مانا جائے اور کسی کو نہ مانا جائے۔ ایمان کا تقاضہ ہے کہ اس کو اس حیثیت سے مانا جائے کہ انسان کی موجودہ زندگی پہلی اور آخری زندگی نہیں ہے بلکہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندہ ہوکر اٹھنا ہے اور خدا کے حضور میں اپنے اعمال کا حساب دینا ہے جو اس نے اس دنیاوی زندگی میں انجام دیئے ہیں۔ ❀❀❀